بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پورے گھرانے کی طرف سے ایک قربانی

محمد فہیم الدین بجنوری قاسمی

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

آغازِ سخن

حامدًا و مصليًا أما بعد:

ایک قربانی - خواہ بڑے جانور کے ساتویں حصے کی شکل میں ہو، یا بکرا ہو- گھر کے باقی صاحب نصاب افراد کی طرف سے بھی کافی ہے یا نہیں؟ یہ ایک مشہور اختلافی مسئلہ ہے، جس میں قرون اولی ہی سے، اہل علم کی آرا مختلف رہی ہیں، ہر دو رجحان کی بنیاد صحیح و معتبر نصوص واحادیث پر ہے، نقطہء نظر کے اختلاف سے دو مختلف راہیں پیدا ہوگئی ہیں، یہ ایک خالص علمی وفقہی بحث ہے، جس میں جانبین بہ ہر صورت خوش بخت ہیں، بہ صورت صحت، دو اجر اور بہ صورت خطا، ایک اجر کے مستحق ہیں۔

لیکن بعض لوگوں کی افتاد میں شرارت ہے، ان کا فرو تر وخسیس ایجنڈہ، اپنی زندگی وشادابی کے لیے، اس نوع کے مسائل پر انحصار کرتا ہے؛ چنانچہ ہر سال عیدِ قربان کے موقع پر، دیگر بعض علمی ابحاث کی مانند، اس مسئلے کو بھی نمایاں کیا جاتا ہے اور اس کی آڑ میں انتشار کا منصوبہ بروئے کار لایا جاتا ہے، اس مسئلے سے متعلق احقر کے پاس ایک طویل اور مدلل اشکال واستفسار آیا ہے، جس کو پڑھ کر مجھے یہ محسوس ہوا کہ جواب دینے سے قبل، اس موضوع کا جائزہ لینا مناسب ہے، بندے نے اس مسئلے سے متعلق جانبین کے مستدلات کو خوب جانچا اور پرکھا ہے، اس کے بعد جو نتیجہ ہے، وہ ذیل کی سطور میں پیش ہے۔

تنبیہ

آغاز سے قبل ایک وضاحت ضروری ہے کہ اس بحث کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ ائمہ ثلاثہ، حنفیہ کے خلاف ہیں اور علمی وجدلی؛ دونوں رنگ میں، اس پر بہت کچھ کلام، ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے؛ لیکن ان ائمہ کے موقف کا تفصیلی مطالعہ اس سمت راہ نمائی کرتا ہے کہ مذکورہ اختلاف مکمل طور پر نہ سہی، کافی حد تک، تعبیر کا اختلاف ہے، یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ قربانی کے فقہی حکم کی تعیین میں، تسامح کی وجہ سے یہ اختلاف پیدا ہوا ہے؛ چناں چہ مستقل عنوان کے تحت یہ مدعا پیش کیا جائے گا۔

بحث کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ بعض ظاہر بین اور موقع پرستوں نے صورت حال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور امام صاحب کو ہدف ملامت بنایا ہے، اس تحریر کے اصل مخاطب وہی ہیں اور گو کہ ائمہ ثلاثہ کا موقف مختلف ہے؛ مگر ردوقدح کی زبان کا رخ ان کی طرف نہ سمجھا جائے، ان سے متعلق اپنا عندیہ جداگانہ عناوین کے تحت پیش کیا گیا ہے۔

حنفیہ کا موقف

حنفیہ کہتے ہیں کہ ایک قربانی؛ خواہ بڑے جانور کا حصہ ہو، یا بکرا ہو، ایک شخص کی طرف سے ادا ہوگی، ایک ہی شخص کا ذمہ فارغ ہوگا، اگر اس کے گھر میں دیگر ایسے ممبران ہیں، جو مستقل نصاب شرعی کے مالک ہیں، تو ان پر قربانی کا وجوب بدستور رہے گا؛ گو کہ وہ ایک گھر میں مل کر رہتے ہوں۔

ائمہ ثلاثہؒ کا موقف

ائمہ ثلاثہ، یعنی امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل علیہم الرحمہ یہ کہتے ہیں کہ ایک قربانی پورے گھر کی طرف سے کافی ہے؛ گو کہ اس کی تفصیل وتشریح میں، ان کے مابین بھی کافی کچھ فرق ہے؛ تاہم اجمالی طور پر مذکورہ بالا حکم میں یہ حضرات متفق ہیں۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حدیث

ایک قربانی کو کافی قرار دینے والوں کا اصل استدلال، حضرت ابوایوب انصاریؓ کے اثر سے

ہے، جس کو محدثین کے اصول کے مطابق مرفوع حدیث کا درجہ حاصل ہے، حضرت ابوایوبؓ بیان کرتے ہیں کہ عہدِ نبوی میں ایک شخص اپنی اور اپنے اہل خانہ کی طرف سے ایک بکری قربان کرتا تھا، اسی کو سب تناول کر لیتے تھے، بعد میں مسابقت کا ماحول بن گیا اور اب صورتِ حال سب کے سامنے ہے:

"عن عطاء بن يسارؒ، قال: سألت أبا أيوب الأنصاريؓ، كيف كانت الضحايا على عهد رسول الله ﷺ؟ قال: كان الرجل في عهد النبي ﷺ يضحي بالشاة عنه وعن أهل بيته، فيأكلون ويطعمون؛ حتى تباهى الناس فصار كما ترى"، (ترمذي).

امام ترمذی کا تبصرہ

اس کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے، اس کے بعد امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس مسئلے میں اہل علم کی دو رائے ہیں: ایک رائے یہ ہے کہ بکرا، سب کی طرف سے کافی ہے، ان کی دلیل یہی حدیث ہے؛ جب کہ دوسری رائے یہ ہے کہ بکرا، ایک ہی کی طرف سے کافی ہوگا، ابن المبارک وغیرہ اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کے اثر کا تجزیہ

اوپر عرض کیا گیا کہ قائلین کی بنیادی دلیل یہی حدیث ہے؛ لہذا ہمیں دیگر احادیث و آثار پر نظر ڈالنے سے قبل اس حدیث کا جائزہ لینا چاہیے، اس حدیث میں چند باتیں قابل غور ہیں:

☆ پہلی بات یہ ہے کہ اس میں جو لفظ عن آیا ہے اس کا استعمال دو معنی میں ہوا ہے: ایک کسی کو ثواب بخشنا اور دوسرے شرعی حکم کی ادائے گی سے سبک دوش ہونا؛ چناں چہ مشہور حدیث ہے- جس کا ذکر اور تخریج آیندہ سطور میں ہے- کہ نبی کریم ﷺ نے دو بکرے ذبح فرمائے، ایک کو اپنی طرف سے اور دوسرے کو امت کی طرف سے، وہاں دونوں کے لیے لفظ عــن آیا ہے؛ جب کہ بالا جماع پہلا عــن اجزاء اور سبک دوشی کے معنی میں ہے اور دوسرا ثواب بخشنے کے معنی میں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں؛

ورنہ لازم آئے گا کہ قربانی کے حکم سے پوری امت بری الذمہ ہو جائے۔

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ زیر بحث اثر میں لفظ عـــن کس معنی میں مستعمل ہوا ہے؟ اس کو جاننے کے لیے، جب اسی حدیث کے باقی حصوں کو گہرائی سے دیکھا گیا، تو دو قرینے ایسے دستیاب ہوئے، جن سے واضح ہوتا ہے کہ **عن**، اِجزاء کے معنی میں نہیں ہے؛ بل کہ ثواب کے معنی میں ہے۔

☆ پہلی بات یہ ہے کہ انھوں نے کہا کہ باقی اہل خانہ اسی گوشت میں شریک ہو جاتے تھے، جس کے معنی یہ ہیں کہ باقی اہل خانہ کی شرکت گوشت کھانے میں تھی، نہ کہ حکمِ قربانی کی ادائے گی، یا ذمے کی سبک دوشی میں، ان کا ذمہ تو مشغول تھا ہی نہیں کہ فارغ ہوتا؛ بل کہ ایک تحقیق یہ ہے کہ خود حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قربانی بھی نفلی تھی۔

☆ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے احوال زمانہ کا شکوہ کیا کہ اب قربانی کو مسابقت کا موضوع بنالیا گیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگ نام ونمود اور عزت کے لیے قربانی کر رہے ہیں، عہد نبوی میں یہ دونوں باتیں نہیں تھیں، تو نکیر ایک سے زائد قربانی پر نہیں ہے کہ اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ ایک قربانی سب کی طرف سے کافی ہے؛ بل کہ نکیر نمود پر ہے، ان دونوں قرینوں سے واضح ہوا کہ حضرت ابوایوبؓ کا منشاء یہ ہے کہ عہد نبوی میں ایک گھر میں عموماً ایک ہی قربانی ہوتی تھی، سب اسی گوشت میں شریک ہو جاتے تھے، بغیر وجوب کے، محض تکثیرِ گوشت، یا تفاخر کے لیے ایک سے زائد قربانیوں کا معمول نہیں تھا۔

امام محمد علیہ الرحمہ کا ارشاد

امام محمدؒ نے موطأ میں، مذکورہ اثر کو نقل کرنے کے بعد، اسی جانب توجہ مبذول کرائی ہے، فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عہد نبوی میں عموما لوگ نادار تھے، ایک بکری قربان کرتے تھے، سب مل کر کھالیتے تھے، اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ ایک بکری میں ایک سے زائد لوگ شریک ہوں، یعنی یا تو

سرے سے وہ قربانی ہی نفل ہوتی تھی کہ سربراہ خاندان بھی بے مایہ ہوتا تھا، یا بہ صورت دیگر وہ قربانی واجب ہوتی تھی، باقی اہل خانہ صاحب نصاب نہیں ہوتے تھے؛اس لیے دوسری قربانی کا اہتمام نہیں تھا:

”کان الرجل محتاجًا، فیذبح الشاۃ الواحدۃ، یضحي بھا عن نفسہ، فیأکل ویطعم أھلہ، فأما شاۃ واحدۃ تذبح عن اثنین وثلاثۃ، فھذہ لا تجزئ، ولا تجوز شاۃ إلا عن واحدۃ، وھو قول أبي حنیفۃ والعامۃ من فقھائنا“. (موطأ محمد: ۲/ ۶۲۴)۔

حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کا ارشاد

حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ نے بھی قدرے تفصیل کے ساتھ اسی قسم کے نکات کی طرف توجہ دلائی ہے، فرماتے ہیں کہ اس وقت لوگ عموماً متمول نہیں تھے کہ سب پر مستقل قربانی واجب ہوتی؛ بل کہ کوئی ایک قربانی کر دیتا تھا، جو سب کے لیے کافی ہو جاتی تھی، یہ ایک قربانی بھی ضروری نہیں کہ واجب ہی ہوتی ہو؛ نفلی بھی ہوتی تھی؛ اس لیے کہ تہی دستی غالب تھی، ظاہر ہے کہ اس صورت حال کی یہ تعبیر:

”گھر کے ایک فرد نے، سب کی طرف سے قربانی کر دی“

بھی غلط نہیں؛ کیوں کہ وہ سب اجر وثواب اور گوشت سے استفادے میں شریک ہیں:

”کان الرجل یضحي بالشاۃ عنہ وعن أھل بیتہ، یعنی لم یکونوا موسرین؛ فیجب علی کلھم علی حدۃ؛ بل کان یضحي أحد من أھل البیت، فیکفي لھم، وھذا معنی کونہ عنھم وعنہ، ثم إن تضحیۃ ھذا الواحد أعم من أن تکون واجبۃ أو تطوعًا؛ إذ الغالب فیھم لما کان ھو الإعسار؛ فلا ضیر في أن یقال إن أحدًا من أھل البیت کان یتطوع ویکفي ذلک عن الکل؛ لکونھم کالشرکاء في الأجر والمثوبۃ، أو شرکاء في أکل اللحم.(الکوکب الدري : ۲/ ۳۹۵).

بکرا، بڑے جانور کے ساتویں حصے کے برابر ہے

قابل ذکر ہے کہ پیغمبر ﷺ نے بکرے کو بڑے جانور کے ساتویں حصے کے مساوی قرار دیا ہے؛ چناں چہ آپؐ نے ایک شخص کو ہدایت فرمائی کہ سات قربانی فقط بڑے جانور میں ممکن ہیں، اگر وہ دستیاب نہیں ہے، تو سات بکرے کرنے ہوں گے، ایک کافی نہیں:

"عن ابن عباسؓ أن النبي ﷺ أتاه رجل فقال: إن علي بدنة وأنا موسر ولا أجدها فأشتريها، فأمره النبي ﷺ أن يبتاع سبع شياه فيذبحن". (مسند احمد، ابن ماجه).

اس حدیث کی تخریج امام احمد اور ابن ماجہ نے کی ہے اور اس کے روات ثقہ ہیں، جیسا کہ شوکانی وغیرہ نے تصریح کی ہے، تفصیل اعلاء السنن میں ہے، اس حدیث میں قابل توجہ امر یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے، ان کو بڑے جانور کے سات حصوں کی طرف سے، ایک بکرے کی اجازت نہیں دی؛ بل کہ سات بکرے خریدنے کا مکلّف کیا، معلوم ہوا کہ بکرا، ایک سے زائد کی گنجائش نہیں رکھتا۔

کیا بکرا، بڑے جانور سے افضل ہے؟

یہ بھی سوچیں کہ اگر ایک بکرا، متعدد مستطیع اہل خانہ کی طرف سے کافی ہے، تو بڑا جانور بدرجہء اولی کافی ہوگا؛ کیوں کہ احکام شرعیہ میں بڑا جانور، بکرے سے افضل قرار دیا گیا ہے؛ چناں چہ حج کے مسائل میں، بعض جنایات میں بکرا کافی نہیں، بدنہ یعنی بڑا جانور ہی درکار ہے، اسی طرح جمعے کے فضائل میں وارد جانوروں کی قربانی کی ترتیب والی حدیث بھی اس کی شاہد ہے؛ حالاں کہ بڑے جانور میں سات کی تحدید منصوص ہے، حضرت جابر کی یہ روایت ملاحظہ ہو:

"عن جابر بن عبد الله، أن النبي ﷺ قال: البقرة عن سبعة والجذور عن سبعة"، (أبو داؤد). اس مضمون کی روایات تواتر کے ساتھ منقول ہیں، ان کی سندیں اور متعدد طرق شرح معانی الآثار میں دیکھے جاسکتے ہیں، اب اگر بکرے کو اہل خانہ کی طرف سے کافی مانا جائے، تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ بکرا تو بغیر تحدید کے تمام اہل خانہ کی طرف سے کافی ہو، خواہ وہ سات ہوں یا ستر؛ لیکن

بڑا جانور صرف سات کی طرف سے کافی ہوگا؛ ظاہر ہے یہ حکم اپنے آپ میں عجیب ہونے کے علاوہ، ان تمام نصوص کے خلاف ہوگا، جن میں بڑے جانور کو بکرے پر نمایاں فوقیت دی گئی ہے، یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس نوع کے مسائل، مقاصد شریعت کے کس درجہ منافی ہیں!

بڑا جانور گھر کے صرف سات افراد کی طرف سے کافی ہوگا

بل کہ بڑے جانور کے بارے میں تصریح آئی ہے کہ وہ بھی ایک گھر کے، فقط سات افراد کی طرف سے کیا جاسکتا ہے، سات سے زائد شریک نہیں ہوسکتے:

"عن علي بن أبي طالبؓ قال: الجزور والبقرة عن سبعة من أهل البيت لايدخل معهم غيرهم"، (مصنف ابن أبي شيبه).

یعنی اونٹ اور گائے اہل خانہ میں سے سات کی طرف سے کافی ہوں گے، دیگر لوگ ان میں شامل نہیں ہوسکتے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ بڑا جانور بھی جملہ اہل خانہ کی طرف سے کافی نہیں، اس کی حد سات کا عدد ہے، اگر گھر میں مستطیع افراد سات سے زائد ہیں، تو بڑا جانور ان کے لیے کافی نہ ہوگا، جب بڑے جانور کا یہ حال ہے، تو بکرے کے بارے میں یہ دعوی کرنا کہ وہ علی الاطلاق جملہ اہل خانہ کے لیے کافی ہے، فقہ وفہم سے حد درجہ بعید ہے۔

یہ لوگ مرفوع حدیث سے استدلال کیوں نہیں کرتے؟

کیا آپ کو معلوم ہے کہ ان لوگوں کے موقف پر دلالت کرنے والی، ایک صریح مرفوع حدیث موجود ہے؛ مگر یہ اس کو نظر انداز کرتے ہیں اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے اثر پر اکتفا کرتے ہیں؟ جی ہاں! ان کو اصل استدلال اس حدیث سے کرنا چاہیے:

"عن أبي رافع مولى رسول الله ﷺ، أنه إذا ضحى اشترى كبشين أقرنين أملحين، فإذا صلى وخطب الناس أتي بأحدهما، وهو قائم في مصلاه، فذبحه بنفسه

بالمدية، ثم يقول: اللهم هذا عن أمتي جميعًا لمن شهد لک بالتوحيد وشهد لي بالبلاغ، ثم يؤتى بالآخر فيذبح بنفسه ويقول: هذا عن محمد وآل محمد" (مسند أحمد)

ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اللهم هذا عن محمد وأهل بيته، إن هذا منک ولک عمن وجد من أمتي".

ان روایات میں خود پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ یہ قربانی میری اور میرے اہل خانہ کی طرف سے ہے؛ مگر یہ لوگ اس قسم کی مرفوع وصریح احادیث کو ذکر نہیں کرتے؛ کیوں کہ ان میں دوسرے بکرے کو ساری امت کی طرف منسوب کیا گیا ہے، پہلے جز کو ماننے کی صورت میں، یہ بھی ماننا ہوگا کہ ایک بکرا ساری امت کے طرف سے کافی ہے، پھر کسی کو قربانی کے تکلف ہی کی ضرورت نہیں ہوگی، واقعہ یہ ہے کہ اس نوع کی احادیث کا دوسرا اجزا ان کو دعوت فکر دیتا ہے اور نزاع کا باب بند کرتا ہے؛ اسی لیے یہ لوگ آنکھیں بند کرنے میں بہتری محسوس کرتے ہیں، دوسرے جز کا پیغام یہ ہے کہ اہل خانہ کی شمولیت کا تذکرہ ہو، یا پوری امت کی شمولیت کا؛ یہ ثواب میں شمولیت ہے، ذمہ فارغ ہونا مراد نہیں ہے۔

حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کا ارشاد

حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر عــن سے إجــزاء یعنی حکم کی ادائے گی مراد لی جائے، تو اہل خانہ ہی کیا! اس میں اہل شہر بھی شامل ہوں گے؛ جس کا کوئی قائل نہیں؛ بل کہ ان کے مطابق تو قربانی کا حکم سرے سے ختم ہو جائے گا؛ کیوں کہ پیغمبر ﷺ امت کی طرف سے قربانی فرما چکے ہیں؛ بالخصوص صحابہ کو چاہیے تھا کہ وہ پیغمبر ﷺ کی اس قربانی پر اکتفا کرتے، جو امت کی طرف سے کی گئی تھی، اس سے واضح ہوا کہ لفظ عــن، اجزاء اور ادائے گی کے معنی میں نہیں ہے؛ بل کہ ثواب بخشنے کے معنی میں ہے، سربراہ خانہ کو زیب دیتا ہے کہ وہ ثواب میں اہل خانہ کو شامل کرے؛ جیسا کہ پیغمبر ﷺ نے امت کو شامل کیا:

”هـذا الاستـدلال لايتـم؛ فإن موجبه جواز التضحية عن أهل بلد، ولم يقولا بـه؛ بـل الـحديث –على ما ذهبا إليه– ينبغي أن ينفي وجوب التضحية رأساً؛ فإن في أضـحيتـه ﷺ عـمـن لـم يضح كفاية، ولا سيما في زمنه ﷺ؛ إذ كان للصحابة أن يـكتـفـوا بـأضحيته ﷺ؛ بل المعنى هو وصول الثواب إليهم، وبهذا المعنى يجزئ عن أهل بيت كما يجزئ عن أهل بلد، وإجزاء تضحيته ﷺ عن أمته بهذا المعنى لا كما فهما وهو المذهب عندنا“. (الكوكب الدري : ٢/ ٣٩٥).

احادیث میں تعارض

اگر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے اثر کو، ان حضرات کے بیان کردہ مفہوم پر محمول کیا جائے، تو احادیث میں سخت تعارض ہوگا؛ اس لیے کہ متعدد احادیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ قربانی ہر مستطیع وخوش حال شخص پر واجب ہے، ان میں سب سے نمایاں یہ ہے:

”من وجد سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا“، (مستدرک حاکم، مسند احمد)

یعنی جو استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرے، وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے، اس حدیث کی تخریج حاکم نے مستدرک میں کی ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے، علامہ ذہبی نے اس تصحیح کی تائید کی ہے، نیز اس کی سند پر جو کلام کیا گیا ہے، اس کا مفصل جواب علامہ ظفر احمد عثمانی نے، اعلاء السنن میں دیا ہے اور اس کے صحیح الاسناد ہونے کو محقق کیا ہے، اس روایت میں استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والے کو سخت وعید سنائی گئی ہے، اس میں ہر مستطیع شخص داخل ہے، خواہ اس کے گھر سے کسی نے قربانی کی ہو، یا نہ کی ہو، اس تعارض کو دور کرنے کی صورت یہی ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت کو ثواب میں شمولیت پر محمول کیا جائے، نہ کہ اجزاء پر۔

امت کا تعامل کیا کہتا ہے؟

اس کے علاوہ یہ دیکھنا بھی اہم ہے کہ امت میں ایک قربانی پر اکتفا کا مزاج کبھی نہیں رہا، متمول گھرانوں میں متعدد قربانیاں کی جاتی رہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب امام احمد بن حنبل کے صاحب زادے کے علم میں یہ بات آئی کہ کچھ لوگ پورے گھر کی طرف سے ایک قربانی کی بات چلا رہے ہیں، تو وہ متعجب ہوئے:

"**وقال صالح: قلت لأبي: يضحى بالشاة عن أهل البيت؟ قال نعم، لا بـأس**"، اس میں فرزند کا اشکال قابل توجہ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ مذکورہ رجحان عام معمول کے خلاف تھا؛ ورنہ ان کو سوال کی حاجت نہ ہوتی۔

ایک دعوی

اس موقع پر ایک دلچسپ دعوے کا ذکر بھی فائدے سے خالی نہیں، حضرت شیخ زکریا علیہ الرحمہ نے اوجز المسالک میں، اس بحث کے دوران علامہ دردیر کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ کتب حدیث میں ایسی کوئی نص نہیں ہے، جس میں یہ صراحت ہو کہ ایک گھر کے متعدد صاحب نصاب لوگ مل کر کوئی بکرا خریدیں، تو قربانی درست ہو جائے گی، اس سے بھی یہی بات صاف ہوتی ہے کہ اہل خانہ کی طرف سے کافی ہونے کے معنی، ثواب میں شمولیت کے ہیں۔

مالکیہ وغیرہ بھی ثواب ہی مراد لیتے ہیں

پورے گھرانے کی طرف سے ایک قربانی کو کافی سمجھنے والوں میں مالکیہ سرفہرست ہیں؛ لیکن ان کے موقف کی تفصیل دوسری صورت پیش کرتی ہے، اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ بھی کافی ہونے کو ثواب پر محمول کرتے ہیں، نہ کہ اِجزاء اور ذمے کی سبکدوشی پر؛ چناں چہ وہ کہتے ہیں کہ اگر باقی اہل خانہ، اس ایک قربانی میں حصے دار بنتے ہیں، یعنی ثمن ادا کرنے میں شریک ہوتے ہیں، تو پھر قربانی درست نہیں ہوگی:

" **فأما أن يشتري النفر البدنة أو البقرة أو الشاة، يشتركون فيها في النسك**

والضحايا، فيخرج كل إنسان منهم حصة من ثمنها، ويكون له حصة من لحمها؛ فإن ذلک يكره، وإنما سمعنا الحديث أنه لايُشتَرک في النسک، وإنما يكون عن أهل البيت الواحد"،(موطأ: ١٠٦٠).

اس میں دو باتیں قابل غور ہیں: ایک یہ کہ دیگر اہل خانہ کو اس قربانی میں مالی معاونت نہیں کرنی ہے؛ ورنہ قربانی نہیں ہوگی، دوسری بات یہ کہ دیگر اہل خانہ کی شرکت نسک یعنی عمل قربانی اور نفس عبادت میں نہیں ہے؛ اگر ان دونوں باتوں کو سامنے رکھیں، تو آپ کہیں گے کہ یہ بعینہ حنفیہ کی رائے ہے؛ کیوں کہ یہ شرکت ثواب میں ہے، نفس عمل میں نہیں؛ ان باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ رائے کے حاملین نے اس تنقیح سے کام نہیں لیا، جو منظّم فقہ کے لیے بہت ضروری اور لازمی ہے، جیسا کہ آگے یہ نکتہ مزید واضح ہوگا۔

کیا مالکیہ اور شافعیہ نے تنقیح سے کام نہیں لیا؟

مالکیہ اور شافعیہ کے موقف کا گہرائی سے جائزہ لینے پر یہ تاثر ابھرتا ہے کہ ان حضرات کے موقف میں تنقیح کی کمی ہے، حنفیہ نے حضرت ابوایوبؓ والی روایت کے بارے میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ان کی وہ ایک عدد قربانی بہ طور سربراہ خانہ تھی، گھر میں کوئی اور فرد صاحب نصاب نہیں تھا، یوں کہنے کو تو شافعیہ اور مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ ایک قربانی پورے گھر کی طرف سے علی الاطلاق کافی ہے؛ لیکن جب ان کے مسلک کی تفصیل جاننے کے لیے، ان کے مراجع دیکھے جائیں، تو پس منظر کچھ اور نظر آتا ہے، جو حنفیہ کے موقف کے قریب تر ہے، مثال کے طور پر شافعیہ کی کتابوں میں اس کی تفصیل میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک قربانی اہل بیت کی طرف سے کافی ہے؛ لیکن اہل بیت میں صرف وہ لوگ داخل ہیں، جن کا نفقہ اس شخص کے ذمے ہو:

"وللشافعية تفسيرات متعددة لأهل البيت الواحد، والراجح تفسيران: أحدهما أن المقصود بهم من تلزمهم الشخصَ نفقتُهم، وهذا هو الذي رجحه

الشمس الرملي في نهاية المحتاج"،(الموسوعة الفقهية الأضحية) .

ظاہر کہ نفقہ انھیں اقارب کا لازم ہوتا ہے جو نادار ہوں، اس طرح یہ وہی بات ہوئی جو حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر باقی اہل خانہ نادار ہوں، تو ایک قربانی کافی ہوگی، باقی افراد خانہ کو قربانی کرنا لازم نہیں۔

یہی بات مالکیہ کے یہاں بھی ملتی ہے، ان کے یہاں بھی ایک قربانی، باقی افراد خانہ کی طرف سے اسی صورت میں کافی ہے، جب کہ باقی اہل خانہ فقیر ہوں:

"وإذا ضحى ناوياً نفسه وأبويه الفقيرين وأولاده الصغار، وقعت التضحية عنهم"، (الموسوعة الفقهية، الأضحية).

اس میں فقر کی قید پر غور فرمائیں؛ اگر ایک قربانی تمام اہل خانہ کی طرف سے کافی ہے، تو ان کا فقیر ہونا کیوں ضروری ہے؟ مستطیع ہونے کی صورت میں بھی کافی ہونی چاہیے! اگر ایک قربانی کے کافی ہونے کے لیے باقی اہل خانہ کا فقیر ہونا شرط ہے، جیسا کہ ان عبارتوں سے صاف ہے، تو اسے حنفیہ کے موقف کا غیر واضح شکل میں اعادہ کہا جائے گا، جو باتیں یہ لوگ غیر واضح طور پر کہہ رہے ہیں، حنفیہ نے اس کو منظّم، مرتب اور منقح صورت میں پیش کیا ہے، حنفیہ کو اس پر کوئی اشکال نہیں کہ اگر گھر میں ایک ہی شخص صاحب نصاب ہو، تو ایک قربانی کافی ہے۔

ائمہء ثلاثہؒ کے اس غیر مربوط موقف کی بنیاد

آپ نے ملاحظہ کیا کہ ائمہء ثلاثہ نے سب کی طرف سے ایک قربانی والی بات کہی: مگر اسے نباہنا ان کے لیے آسان نہیں رہا، بہت سی کمزوریوں کے پیش نظر یہ موقف اس نظم ونسق سے عاری ہے، جو فقہ واجتہاد کی شان ہے؛ اس میں اصل غلطی دوسری جگہ ہوئی ہے، اس سے میری مراد قربانی کا فقہی حکم ہے، اس سلسلے میں ان حضرات نے، نصوص کی تصریحات کے علی الرغم، وجوب کے بہ جائے، محض سنت کا موقف اختیار کیا؛ اس کا اولین اثر یہ ہوا کہ ہر شخص کو آزادی مل گئی، قربانی کرتا ہے، تو بہت اچھا، نہیں کرتا

ہے،تو مضائقہ نہیں، نیز اگر وہ اہل خانہ کو بھی نیت میں شامل کرلے،تو بھی حرج نہیں؛ کیوں کہ یہاں سبک دوشی ، ذمے کی فراغت اور حکم سے بری الذمہ ہونے جیسی باتوں کا کوئی تصور ہی نہیں؛ یہ ایک مسنون عمل جوٹھہرا،واجب ہوتا تو مذکورہ بالا نکات زیر بحث آتے۔

قربانی کے وجوب کے دلائل

قرآن ، حدیث اور تعامل امت ؛ ہر نوع کے دلائل،قربانی کے وجوب کونمایاں کرتے ہیں، ارشاد باری ہے:﴿ **فصل لربک وانحر** ﴾ ،اس کی تفسیر نماز عیداور قربانی سے کی گئی ہے؛لیکن چوں کہ اس میں دیگر احتمال بھی ہیں؛اس لیے بہ جائے فرضیت کے، ہر دو احکام یعنی عید وقربانی میں، وجوب کواختیار کیا گیا، جوکہ ایسے مواقع میں غایت درجہ معتدل فیصلہ ہے۔

ارشادنبوی ہے:" **من وجد سعة فلم يضح فلا يقربن مصلانا**"،(مستدرک حاکم، مسند احمد)جوشخص گنجائش کے باوجودقربانی نہ کرے، وہ عیدگاہ کے نزدیک نہ آئے،اس حدیث میں سخت وعید ہے،اس سیاق سے حکم کی تاکید واضح ہے؛اس لیےاس کوکم ازکم وجوب پرمحمول کیا جائے گا۔

احادیث میں حضرت ابو بردہ بن نیارؓکا قصہ معروف ہے،انھوں نے ناواقفیت کی وجہ سے،نماز سے قبل ہی قربانی کردی تھی،اس حدیث میں بھی ہمارے لیے متعدد راہ نما نکات ہیں،مثال کے طور پر آپؐ نے ان کے عذر کوقبول کرتے ہوئے فرمایا کہ ٹھیک ہےتمہاری قربانی صحیح ہوگئی؛لیکن آیندہ کسی اور نے ایسا کیا تواس کی قربانی نہیں ہوگی: "**لاتجزئ عن أحد بعدک**" ، یہاں **لاتجزئ** آیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ لفظ فرض اور واجب کے موقع پر ہی استعمال ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ اجزاء یعنی ذمے کا فارغ ہونا،فرض اورواجب میں ہوتا ہے،سنت میں نہیں۔

نیز ایک حدیث یہ ہے:"**من ذبح قبل أن يصلي فليعد مكانها أخرى**"، (بخاري)، حضرت علامہ ادریس کاندھلوی علیہ الرحمہ،التعلیق الصبیح میں کہتے ہیں کہ **فليعد مكانها أخرى**،

وجوب کی علامت ہے؛ کیوں کہ قضا اور بدل کا حکم بالاتفاق واجب اور فرض میں ہوتا ہے، (دیکھیے: **التعلیق الصبیح : ۲/ ۱۶۹**)

ان کے علاوہ اور بھی متعدد روایات ہیں، جن سے قربانی کا وجوب واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے، مثال کے طور پر یہ حدیث:

"علی کل مسلم في کل عام أضحاة وعتيرة"، (مسند احمد).

اس میں تصریح ہے کہ ہر سال عتیرہ اور عید کی قربانی، ہر مسلمان پر واجب ہے، عتیرہ رجب کا ایک ذبیحہ تھا، جو بالاتفاق منسوخ ہو گیا؛ لہذا عید کی قربانی بدستور واجب رہے گی۔

نیز یہ حدیث:

"عن أم بلال رض أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: ضحوا بالجذع من الضأن"، (مسند أحمد).

اس میں قربانی کے لیے امر کا صیغہ ہے؛ جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

خاتمہ

وجوب کے ان دلائل سے صرف نظر کرتے ہوئے، سنت کا موقف اختیار کرنا، اس بحث میں ناہمواری کی سمت اولین قدم تھا؛ اس کے بعد مسئلے کی تفصیل میں، جو متصادم جزئیات پیدا ہوئے، وہ اس کا منطقی نتیجہ ہیں؛ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ ائمہء ثلاثہ کے لیے سنت کا قول اختیار کرنا بھی مجبوری سے کم نہیں؛ کیوں کہ وجوب کی جس اصطلاح کو حنفیہ نے متعارف کرایا ہے، اس کا اندراج ان حضرات کے یہاں اس تنقیح کے ساتھ نہیں ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ قربانی ہر مستطیع وخوش حال شخص پر واجب ہے، افراد خانہ میں سے ایک کی قربانی، دیگر صاحب نصاب افراد کی طرف سے کافی نہیں ہے، بہ ظاہر متعارض روایات میں، فقط سند کی

بنیاد پر ایک کا انتخاب اور باقی صحیح الاسناد روایات سے، صرف نظر؛ اجتہاد کی بہتر شکل نہیں ہے، فقہ وفہم کا عمدہ استعمال یہ ہے کہ کوئی روایت سرد خانے کا شکار نہ ہو، فقہا کا امتیاز اسی نکتے میں نہاں ہے، اس کمال کی عزت افزائی لسان نبوت نے ان الفاظ میں کی ہے:

عن زيد بن ثابت، قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: "نضر الله امرأ سمع منا حديثًا، فحفظه؛ حتى يبلغه غيره؛ فرب حامل فقه إلى من هو أفقه منه، ورب حامل فقه ليس بفقيه"،(الترمذي).

ظاہر ہے کہ نقل وروایت کی اہمیت سے انکار کے کیا معانی؟ لیکن شریعت کے عملی نقشے میں فقہ ودرایت کلیدی اور اساسی عنصر ہے اور یہ ضروری نہیں کہ اول الذکر میں امامت کا درجہ رکھنے والے، امر دوم میں بھی مستند ہوں؛ اس لیے ان کو چاہیے کہ اس نوع کی مشکل صورت حال میں، وہ فقہا سے راہ نمائی حاصل کریں، واللہ اعلم۔

محمد فہیم الدین بجنوری قاسمی

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

۹ ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ-۳۱ جولائی ۲۰۲۰ء